# حضورِ بے حضوری

## (عمرہ کا دوسرا سفر، ۲۰۰۹ء)

عارف نوشاہی☆

عدو شود سبب خیر اگر خدا خواہد:

میں ۲۰۰۵ء میں پہلی بار عمرہ پر گیا تھا۔اس کے بعد مسلسل تین سال گرمیوں کی چھٹیوں میں ایران جاتا رہا اور دو، تین، چار ماہ تک وہاں گذارے۔سال ۲۰۰۹ء میں بھی یہی ارادہ تھا کہ گرمیوں کی تعطیلات میں ایران جانا ہے۔ایران کے گرمیوں کے سفر کی تیاری میں وفورِ شوق سے ہمیشہ اپریل سے شروع کر دیتا تھا۔چنانچہ ۲۰۰۹ء کے متوقع سفر کے لیے بھی اپریل کے ایک دن، میں ویزا لینے اسلام آباد میں واقع ایرانی سفارت خانہ چلا گیا۔لیکن قونصل نے بوجوہ ویزا دینے میں لیت ولعل سے کام لیا، کچھ شرائط رکھیں اور ویزے کے لیے خصوصی درخواست دینے کے لیے بھی کہا۔بے شک ویزا دینا یا دینے سے انکار کرنا، سفارت خانے کا حق تھا، لیکن مجھے یہ بات اچھی نہ لگی۔میں نے بھی خودداری کا مظاہرہ کیا اور دل میں سوچا تیس سال ایران اور فارسی کی خدمت کرتے گذر گئے ہیں، اگر سفارت خانۂ ایران ویزا دینے میں حیل وحجت کر رہا ہے تو میں بھی درخواست نہیں دوں گا۔میں اسی کوفت میں سفارت خانے سے نکل آیا اور گھر کی طرف جاتے ہی راستے میں یہ فیصلہ کر لیا کہ ''زرتشت کے کعبے'' کی بجائے کعبۃ اللہ کو جاتا ہوں۔شاید طاہر قزوینی کا شعر ہے:

عدو شود سببِ خیر اگر خدا خواہد
خمیر مایۂ دکّان شیشہ گر، سنگ است

اگر خدا کو منظور ہو تو آپ کا مخالف اور دشمن ہی آپ کے لیے خیر کا سبب بن جاتا ہے۔یعنی جس دشمن سے آپ کو شر کا خطرہ ہوتا ہے وہی آپ کو اپنی دشمنی سے خیر پہنچا دیتا ہے۔اسی مفہوم کو اہلِ پنجاب نے ''کُبے نوں لَت کاری'' [کبڑے کو لات کار

☆ ڈاکٹر عارف نوشاہی، ایسوسی ایٹ پروفیسر، گورڈن کالج، راولپنڈی۔

آمد] کہہ کرادا کیا ہے۔

گھر پہنچ کر اہلیہ فخر النساء (فاخرہ) سے پوچھا کہ کیا وہ عمرہ کے لیے جائیں گی؟ وہ گویا پہلے ہی سے تیار تھیں، کہنے لگیں نیکی اور پوچھ پوچھ۔ یکم مئی کو ساہن پال گیا اور ہمشیرہ صاحبہ حفیظہ خانم، جو پچھلے دو سال سے مجھے کہہ رہی تھیں کہ انھیں عمرے پر بھیجا جائے، ان سے بھی کاغذات لیے۔ اپنے خاندان کی بزرگ، پھوپھی صاحبہ رضیہ بیگم نوشاہی سے دعاے خیر کروائی اور اسلام آباد آ گیا۔ ۷ مئی کو تین آدمیوں کے تمام ضروری کاغذات ''الحطیم ٹریولز'' کے پاس جمع کروائے۔ ۲۳ مئی کو انھوں نے تمام سفری دستاویزات مکمل کر کے میرے حوالے کیں۔ فی ٹکٹ اخراجات ۵۵۰۱۵ روپے اور فی نفر رہائش کا خرچ ۲۲۰۰۰ روپے۔ کل اخراجات دو لاکھ اکتیس ہزار روپے ادا کیے۔ عمرے کا یہ سفر ۲۶ مئی تا ۱۷ جون ۲۰۰۹ء ہوا۔

میں نے ایک دفعہ ۲۰۰۵ء میں عمرہ کر لیا تھا۔ میں چاہتا تھا میری جگہ اب گھر کا کوئی اور فرد یہ سعادت حاصل کرتا۔ لیکن خدا نے مجھ پر ہی فضل کرنا تھا، سو میری تیاری ہو گئی۔

۲۴ مئی کو بڑے بھائی صاحب قدوس اختر نوشاہی صاحب اور ۲۵ مئی کو چھوٹے بھائی افضال السبطین صاحب کے ہاں شام کی ضیافت تھی۔ بھتیجیوں نے بہت عمدہ، قسم قسم کے کھانے بنائے تھے۔ جزاکم اللہ۔

## جدّہ روانگی:

ایئر پورٹ سے ٹیلی فونک ٹیکسی منگوائی تھی۔ وہ ۲۶ مئی کی صبح (نصف شب) ٹھیک ایک بجے گھر پر آ گئی۔ ہم تینوں مسافر اسلام آباد ہوائی اڈے پر پہنچے۔ سب امور آسانی سے طے ہو گئے اور جہاز کا انتظار کرنے بیٹھ گئے۔ پی آئی اے کی یہ پرواز عمرہ کے مسافروں کے لیے مخصوص تھی۔ لاؤنج میں تقریباً تمام مرد و زن، احرام میں ملبوس تھے۔ زیادہ تر دیہاتی لوگ تھے جنھیں اس سفر کا پہلی بار تجربہ ہو رہا تھا۔ انھیں احرام باندھنے کا بھی طریقہ اور سلیقہ نہ آتا تھا لیکن دل میں خانۂ خدا کی زیارت کا شوق موجزن تھا۔ وہ جیسا بھی احرام باندھیں، خدا کے حضور مقبول تھا۔

ما برون را ننگریم و قال را
ما درون را بنگریم و حال را

مسافروں میں بڑی عمر کے لوگ زیادہ تھے۔ ہمارے ہاں لوگ ساری عمر، پونجی جمع کرتے ہیں اور پھر حج یا عمرے پر نکلتے ہیں۔ بعض لوگ اس قدر ضعیف تھے کہ ہمشیرہ صاحبہ انھیں دیکھ کر فکر مند تھیں کہ یہ طواف کیسے کریں گے؟

## جدّہ ہوائی اڈہ:

جہاز، مقامی وقت کے مطابق صبح سات بج کر پچیس منٹ پر جدّہ پہنچ گیا۔ ان دنوں اپریل کے مہینے سے میکسیکو سے دنیا بھر میں Swine flu یعنی سؤر کے انفلوئنزا کی وبا پھیلی ہوئی تھی اور اس کا وائرس، ایک ملک سے دوسرے ملک جانے والے مسافروں کے ذریعے منتقل ہونے کا اندیشہ تھا۔ چنانچہ ہوائی اڈے پر سب سے پہلے مسافروں کو اس وبا سے بچاؤ کے لیے قطرے

پلائے گئے۔ یہ قطرے، قدرے تلخ تھے۔ جب ایک پنجابی عورت کے منہ میں یہ قطرے ڈالے گئے تو اس نے اس پر برملا یوں تبصرہ کیا: ''منہ وچ موہرا پا چھڑیا نیں'' یعنی منہ میں زہر ڈال دیا ہے۔

ہوائی اڈے پر امیگریشن والوں نے پاسپورٹ ویزا چیک کر کے خروج کی مُہر لگانا تھی، تب مسافروں نے باہر نکلنا تھا۔ کچھ مسافر تو نکل گئے لیکن جب ہماری باری آئی تو امیگریشن والوں کے کمپیوٹر خراب ہو گئے اور کام ٹھپ ہو گیا۔ ہماری بس باہر ہمارا انتظار کر رہی تھی اور ہم اندر بے بس بیٹھے ہوئے تھے۔ عرب لونڈے جو سیکیورٹی پر مامور تھے، انھیں کوئی تمیز نہیں تھی اور نہ انھیں مسافروں سے ہمدردی تھی، جو درحقیقت ضیوف الرحمان (خدا کے مہمان) تھے۔ انتظار کی اس کیفیت میں، جس میں ہمیں کچھ معلوم نہ تھا کہ کمپیوٹر سسٹم کب ٹھیک ہو گا، ہمارا اور کوئی کام نہ تھا کہ ہال میں لگے سائن بورڈز کو بار بار پڑھتے رہیں۔ ایک بورڈ پر سات زبانوں میں یہ کلمات لکھے تھے:

رافقتکم السلامة (عربی)

سفر ایمن دارد (فارسی)

آپ کے سفر کو آسان و بحفاظت (اردو)

Have a safe journey (انگریزی)

*selamat jalanIyi yoleuluklar* (ترکی)

*Bon voyage* (فرانسیسی)

باقی زبانوں کا تو علم نہیں، کم از کم فارسی اور اردو کے جملے تو بالکل غلط ہیں۔ *Baggage claim* کی عربی ''استلام الحقائب'' لکھی تھی۔

ابھی ہم پاکستانی مسافر ہی خروج لگوا کر ہوائی اڈے سے باہر نہیں نکل پائے تھے کہ ایران اور ترکی سے مزید پروازیں آ گئیں اور وہ مسافر بھی مختلف انتظار گاہوں میں بند ہو کر رہ گئے۔ حکام کے بقول اُس وقت پوری مملکت سعودیہ کے ہوائی اڈوں کا کمپیوٹرنیٹ ورک معطل تھا۔ خدا خدا کر کے چھ گھنٹوں کے اعصاب شکن انتظار کے بعد، دو بجے کے قریب نیٹ ورک بحال ہوا اور ہم لوگ خروج لگوا کر باہر نکلے۔ ہمارے ٹریول ایجنٹ کی بس تیار کھڑی تھی۔ نیند کے غلبے کی وجہ سے مکّہ مکرمہ تک سارا سفر بند آنکھوں میں کٹا۔

## مکّہ مکرمہ آمد اور عمرہ:

ہمیں مکّہ میں طریق ابراہیم خلیل پر زہرۃ الحنان (ہوٹل) میں ٹھہرایا گیا۔ ایک کمرہ دیا گیا جس میں چار، چارپائیاں، ریفریجریٹر، ٹی وی، فون اور ملحقہ غسل خانہ تھا۔ ٹی وی اور فون تو صرف دکھاوے کے تھے یعنی کام نہیں کرتے تھے۔ اسے ہوٹل قرار دینا تو بے جا ہو گا بس ایک عمارت تھی جس کے کمروں کو استعمال میں لایا گیا تھا۔ میں بازار سے برگر اور لسّی لے آیا اور کھا کر، تازہ

دم ہو کر، حرم شریف کی طرف چلے۔ اپنے ہمراہیوں کو آمادہ کیا کہ بیت اللہ شریف پر پہلی نظر کیسے ڈالنا ہے۔ باب عمرہ سے حرم میں داخل ہوئے۔ آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔ دعائیں مانگیں۔ ہمارے پہنچنے سے پہلے ہی حرم میں نمازِ با جماعت ہو چکی تھی لہٰذا ہم نے انفرادی نماز پڑھی۔ دو طواف مغرب کی نماز سے پہلے اور باقی پانچ مغرب کی نماز کے بعد پورے کیے۔ سعی بھی عشا کے بعد ہی ہو سکی۔ اہلیہ بار بار تھک جاتیں اور بیٹھ جاتیں۔ طواف میں بھی اور سعی میں بھی۔ بہر حال، رات دس بجے تک عمرہ کے اعمال پورے ہوئے۔ الحمدللہ۔

۲۷ رمئی، صبح ہمشیرہ صاحبہ کو لے کر حرم شریف گیا۔ با جماعت نماز فجر کا وقت تو نیند اور تھکن کی وجہ سے نکل چکا تھا، نا چار نماز فرادیٰ پڑھی۔ پھر طواف کیا۔ ہمشیرہ صاحبہ کو ہر طواف میں رکن یمانی اور غلاف کعبہ پر ہاتھ لگواتا رہا۔ انھوں نے بڑے ذوق وشوق سے طواف کیا۔ اگر چہ بیمار طبیعت ہیں لیکن کسی قسم کی بیماری یا تھکاوٹ کا اظہار نہیں کیا۔ میں نے کہاں واپس ہوٹل چلتے ہیں تا کہ آرام کر لیں تو کہنے لگیں: ''اوس گُٹھ وچ جا کے کیہ کرنا اے''۔ یعنی ہوٹل کے کونے میں جا کر کیا جانا ہے، حرم میں ہی بیٹھتے ہیں۔ ظہر کے وقت اہلیہ کو بھی حرم شریف میں لے آیا اور پھر عشا کی نماز تک وہیں رہے۔ ہمارے دوست اور ماہر اقبالیات ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی صاحب بھی اتفاق سے مسجد الحرام میں مل گئے۔

## اطراف مکّہ کی زیارات:

۲۸ رمئی: ہوٹل والوں کی طرف سے زیارتوں کا انتظام تھا۔ ہم آٹھ مسافروں کو ایک ویگن میں سوار کیا اور سب سے پہلے جبل ثور پہنچے، جس کے اوپر غار ثور واقع ہے۔ مکّہ سے مدینہ ہجرت کرتے وقت، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس غار میں قیام کیا تھا۔ پہاڑ دیکھنے کے لیے کافی زائرین آئے ہوئے تھے۔ انڈونیشیا کے نوجوان زائرین کا ایک کاروان نمایاں تھا۔ سن رکھا تھا کہ انڈونیشیا میں شادی سے پہلے، نوجوانی میں حج اور عمرہ کرنے کی روایت ہے۔ یہ کاروان دیکھ کر اس کی تصدیق ہوگئی۔ غار ثور تک جانا باہمت لوگوں کا کام ہے۔ دور سے ہی وہ چوٹی دیکھ کر ہم میدان عرفات کی طرف نکل گئے۔ جبل رحمت، مزدلفہ، منیٰ، جمرات، غار حرا، مسجد جن، جنت المعلیٰ کا ٹور تھا۔ جبل ثور کی طرح، غار حرا بھی بس دور سے ہی دیکھا کیے۔ جبل رحمت کے نیچے جو کھلی جگہ ہے وہاں کچھ روزی کمانے والے عرب، اونٹ لیے کھڑے ہوتے ہیں اور زائرین کو اونٹ پر بٹھا کر چکر لگواتے ہیں۔ یہ اونٹ خوب سجائے جاتے ہیں۔ ایک اونٹ پر جو کپڑا ڈالا ہوا تھا اس پر ''اہواز'' لکھا تھا۔ اہواز، جنوب ایران میں عرب آبادی کا شہر ہے۔ معلوم نہیں اس اونٹ کو اہواز سے کیا نسبت تھی! شاید اس کا مالک اہوازی عرب تھا۔ تین گھنٹے کی زیارتی سیر کے بعد گیارہ بجے واپس آ گئے اور نماز ظہر کے لیے مسجد الحرام پہنچے۔

## مدینہ روانگی:

۲۹ رمئی: آج جمعۃ المبارک ہے۔ مسجد الحرام میں نماز جمعہ کا عظیم الشان اجتماع ہوا۔ ہم لوگ ساڑھے دس بجے ہی حرم پہنچ گئے تا کہ آسانی سے جگہ حاصل ہو سکے۔ بعد میں آنے والے لوگوں کو راستے میں بیٹھ کر نماز پڑھنا پڑتی ہے۔

نماز جمعہ کے بعد مدینہ شریف کے لیے روانہ ہوئے۔ایک کوچ،جس میں صرف پاکستانی زائرین سوار تھے،مدینہ کے لیے تین بجے،مکّہ سے نکلی اور کوئی رات ساڑھے دس بجے مسجد نبوی کے قریب ہی اسواق الحرم کے جوار میں واقع ہوٹل،ریاض المہاجرین پر مسافروں کو اتارا۔ہوٹل بہت اچھا تھا۔کھلے اور صاف ستھرے کمرے،تین الگ الگ بستر،کھلا غسل خانہ،ایل سی ڈی ٹی وی اور ریفریجریٹر،آرائش وزیبائش کرنے کے آئینہ اور میز،کمرے میں گیس کا چولہا بھی میسر تھا۔اتنا صاف ستھرا اور کشادہ ہوٹل دیکھ کر طبیعت بشاش ہوگئی۔میرا تجربہ ہے کہ گندے اور گُھٹے ہوئے ہوٹلوں میں قیام سے سفر،خواہ جس غرض سے بھی ہو،بے لطف ہو جاتا ہے۔ہمارے ہوٹل کی ایک اضافی خوبی یہ تھی کہ مسجد نبوی کے بالکل قریب واقع تھا۔ہم سڑک پار کرتے تو مسجد کی حدود میں داخل ہو جاتے۔

## غیب سے کھانے کی فراہمی:

مدینہ شریف پہنچنے پر،رات اس قدر تھکے ہوئے تھے کہ اگلی صبح ہی مسجد نبوی میں جا سکنے کی ہمت تھی۔لیکن بھوک کا کیا کیا جاتا۔وقت ایسا تھا کہ کھانا ملنے کی امید نہ تھی۔بیم ورجا کی کیفیت میں اسواق الحرم سے کھانا لینے چلا گیا۔جونہی وہاں پہنچا ایک عرب نے چائے کا پیالہ میرے آگے کیا اور کہا:''فی سبیل اللہ''۔میں نے گمان کیا کہ یہ سعودی قہوہ ہوگا جو پینے میں تلخ یا کسیلا ہوتا ہے۔میں نے شکریے کے ساتھ معذرت کر لی۔اس نے کہا''حلیب''یعنی دودھ والی چائے ہے۔میں نے پیالہ لے لیا۔آگے بڑھا تو ایک جماعت،طشتریوں میں دلیہ تقسیم کر رہی تھی۔انھوں نے دلیہ سے بھری ایک طشتری مجھے بھی دیا۔میں نے لے کر وہیں کھا لیا اور دو طشتریاں دلیہ اہل خانہ کے لیے لے کر ہوٹل آ گیا۔میرا عقیدہ ہے کہ یہ کھانا آنحضرت ﷺ کی طرف سے بے وقت وارد ہونے والے مسافروں کے لیے تھا۔

## حرم نبوی میں حاضری:

۳۰ رمئی:نماز فجر کے لیے اکیلا ہی مسجد نبوی پہنچا۔نماز کے بعد میں نے روضۂ رسول پر حاضری دی۔نماز کے بعد چونکہ بہت ہجوم ہوتا ہے اس لیے اطمینان کے ساتھ حاضری ممکن نہ ہو سکی۔حفاظتی عملہ بھی زائرین کو رُکنے نہیں دیتا اور چلتے رہنے کی تلقین کرتا ہے۔سات بجے جب اپنے ہمراہ خواتین کو لے کر دوبارہ حاضر ہوا تو بھیڑ چھٹ چکی تھی اور بڑے اطمینان کے ساتھ جتنی دیر چاہا مواجہہ شریف کے آگے کھڑا رہا۔وہیں سے مواجہہ شریف کی میں نے کیمرے سے تصویر اتاری۔فلیش چمکی تو سب زائرین مجھے گھور کر دیکھنے لگے۔میں جان گیا کہ مجھ سے غلطی ہوگئی ہے۔اتنی دیر میں ایک سیکورٹی والا بھی آ گیا اور اس نے مجھے بتایا کہ مسجد کے اندر تصویر لینا منع ہے۔مجھے بے حد شرمندگی ہوئی۔اگرچہ اب موبائل کیمرہ سے لوگ دھڑا دھڑ تصویریں لے لیتے ہیں لیکن میرے پاس فلیش کیمرہ تھا جس سے سب متوجہ ہو گئے۔

خواتین کے لیے صبح سات سے نو یا دس بجے تک ریاض الجنّہ کھولا جاتا ہے اور ہر ملک کی عورتوں کی ٹولیاں بنا کر ریاض الجنہ میں داخل کیا جاتا ہے۔میرے ہمراہ خواتین بھی انھی اوقات میں حرم نبوی میں جاتیں۔حسب معمول ایرانی زائرین کا ہجوم

تھا۔ زیادہ تر خواتین تھیں اور زیارت کی دعائیں پڑھ رہی تھیں۔اس وفعہ انڈونیشیا یا ملائیشیا کے زائرین کو دیکھا کہ با جماعت، کھڑے ہوکر دعا پڑھتے ہیں۔تفرقہ صرف پاکستانیوں میں ہے۔

## نعیم حامد علی الحامد سے ملاقات:

۳۰رمئی: ہوٹل میں نعیم حامد علی الحامد صاحب ملنے آئے۔ان سے تعارف کا پس منظر دل چسپ ہے۔۲۲رمئی کو ڈاکٹر معین الدین عقیل صاحب کا فون آیا کہ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی سے فون پر بات کرلوں، انھیں مجھ سے کوئی ضروری کام ہے۔میں نے ڈاکٹر ہاشمی صاحب کو فون کیا تو انھوں نے بتایا کہ وہ اس وقت لاہور ائرپورٹ پر ہیں اور عمرہ کے لیے جارہے ہیں۔انھیں نعیم حامد کے کتب خانے کا پتا درکار ہے۔میں نے لاعلمی ظاہر کی اور صرف یہ کہا کہ مکتبۂ ملک عبدالعزیز میں کچھ ذاتی ذخائر مخطوطات ہیں۔ممکن ہے نعیم حامد علی الحامد کا ذخیرہ بھی وہاں ہو(میں اس وقت تک نعیم حامد صاحب کو ان کے نام کی ترکیب کی وجہ سے کوئی عرب شخصیت سمجھ رہا تھا)۔اتفاق سے ۲۵رمئی کو ''اخبار اردو'' کا تازہ شمارہ ڈاک سے آیا تو اس میں نعیم حامد صاحب کی ایک کتاب بہار ایجادی بیدل کا تعارف تھا۔جس سے کم از کم یہ پتا چلا کہ موصوف معاصر ہیں اور مدینہ ہی میں مقیم ہیں۔میں نے افتخار عارف صاحب کو مقتدرہ قومی زبان، فون کیا اور ان سے نعیم صاحب کا اتا پتا پوچھا۔انھوں نے فون نمبر، ای میل وغیرہ لکھوا دیا۔میں نے اسی وقت نعیم صاحب کو مدینہ فون ملایا۔اپنا نام بتایا۔کہنے لگے: ''مجھے یقین نہیں آرہا کہ میں عارف نوشاہی سے مخاطب ہوں''۔میں نے کہا وہ کیسے؟ کہنے لگے: ''آپ نے کلیاتِ بیدل کے جس ایڈیشن پر دیباچہ لکھا تھا وہ میرے استعمال میں رہا ہے اور میں آپ سے واقف ہوں۔'' میں نے بتایا کہ میں مدینہ آرہا ہوں۔کہنے لگے: ''ملاقات کا منتظر رہوں گا۔'' بہار ایجادی بیدل مرزا بیدل کے منتخب فارسی کلام کا منثور اور منظوم اردو ترجمہ ہے جو نعیم صاحب نے کیا ہے۔ساتھ میں بیدل اور بیدل شناسوں کا تذکرہ بھی ہے۔بیدل کے شاگردوں کے کوائف بھی ہیں۔آخر میں آثار بیدل کے (مطبوعہ/مخطوطہ) سرورق، آخری صفحات وغیرہ کے عکس ہیں۔کتاب ۲۰۰۸ء میں لاہور سے سید بابر علی نے بابر فاؤنڈیشن سے بہت عمدہ کاغذ پر چھاپی ہے۔

میں پاکستان سے نعیم صاحب کے لیے اپنی تصانیف و مرتبات سے تذکرۂ شرافت نوشاہی، ارمغان ہندوستان، گلزار محبت لے گیا تھا، وہ پیش کیں۔رسالہ ''فکر ونظر'' میں مدینہ کے مخطوطات پر جو میرا مقالہ چھپا تھا وہ بھی انھیں پیش کیا۔اتفاق سے اس میں نعیم حامد کے ایک مقالہ کا حوالہ بھی آگیا تھا (اگرچہ یہ حوالہ اچھے الفاظ میں نہ تھا) لیکن انھیں بتا دیا کہ آپ کے ایک مضمون کو میں نے دیکھا ہے۔طے ہوا کہ کل نعیم صاحب اپنا کتب خانہ دکھانے لے جائیں گے اور ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی بھی وہاں موجود ہوں گے۔

اگلی صبح (۳۱رمئی) نو بجے نعیم حامد صاحب مجھے لینے آگئے اور ڈاکٹر ہاشمی کی معیت میں اپنے گھر لے گئے۔ان کا گھر جبل احد کے بالمقابل ایک ہاؤسنگ سوسائٹی میں واقع ہے۔انھوں نے بتایا کہ سامنے جبل احد کی جو چوٹی نظر آرہی ہے وہ بلند ترین ہے۔اس پہاڑ کا سلسلہ کوئی ۲۵ کلومیٹر تک پھیلا ہوا ہے۔جس مقام پر یہ سوسائٹی ہے وہاں پہاڑ پر مصنوعی آبشار بھی بنی ہوئی

تھی۔ میں نے اس جگہ کی تصاویر بنائیں۔

نعیم صاحب کے کتب خانے میں دو گھنٹے گذارے۔ کتب سلیقے سے رکھی تھیں۔ چند مخطوطات کے عکسیات کو خوب صورت جلدیں بندھوا کر محفوظ کیا گیا تھا۔ بعض نایاب مطبوعات کے عکسیات کے لیے بھی جلدوں کا یہی اہتمام تھا۔ نعیم صاحب نے مشاہیر کے خطوط کو بھی موی کاغذ میں چسپاں کر کے محفوظ کروا لیا ہے۔ اپنے تین چار مسودے عکاظ غزل، نغز بیدل وغیرہ دکھائے۔ ہر چیز کو انھوں نے سلیقے سے رکھا ہوا تھا۔ ایک خاص چیز یہ تھی کہ ہر مخطوطہ، مسودہ یا مطبوعہ نایاب کتاب کے عکس کی جلد بندی کرواتے وقت ابتدا میں ایک صفحہ اپنے ذاتی کوائف اور ایک صفحہ اپنی تصویر کے لیے مختص تھا۔ کوائف والے صفحے پر یہ جملہ بھی درج تھا کہ اس کتاب کو نعیم حامد سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ نعیم حامد صاحب کے شوق متنوع ہیں۔ تصویر کشی کا شوق ہے۔ قطعہ تاریخ گو بھی ہیں۔ اردو لغت بورڈ کی ۲۲ جلدی لغت کی تکمیل کی تاریخ کا مادّہ ''لغت'' (مطابق ۱۴۳۰ھ) نکالا ہے جو برمحل ہے۔ مقالے بھی لکھتے ہیں۔ حامد صاحب نے بتایا کہ انھیں موسیقی سننے سے بھی دل چسپی ہے۔ شاعر بھی ہیں، لیکن کسی کو شعر نہیں سناتے۔ سعودی عرب میں اردو زبان و ادب کی موجودگی سے متعلق تمام ریکارڈ ان کے پاس ہے۔ عارف حکمت کے ذخیرہ کے نادر مخطوطات کو سی ڈی پر محفوظ کر رکھا ہے۔ وہاں میری دل چسپی کا سامان بہت تھا لیکن وقت کم۔ ایک مرقّع عارف حکمت اور دیگر ذخائر کے مخطوطات کے اول و آخر اوراق کی تصاویر کا بنا رکھا تھا۔ دیوان والہ داغستانی، دیوان آصفی ہردی، حدایق السحر فی دقایق الشعر، دیوان خالد نقشبندی، دیوان مظہر جان جاناں کے مخطوطات کے مکمل عکس مجلد کروائے تھے۔

نعیم حامد صاحب، یکم جنوری ۱۹۴۵ء کو مراد آباد میں پیدا ہوئے۔ تقسیم ہند کے قضیے (۱۹۴۷ء) میں پاکستان ہجرت کی۔ ۱۹۵۴ء میں کراچی سے حجاز چلے گئے۔ وہ دن اور آج کا دن، وہیں مقیم ہیں۔ بقول ان کے، انھوں نے کسی مدرسہ میں تعلیم حاصل نہیں کی ہے۔ کیونکہ جس عمر میں مدرسہ جانا تھا یا تعلیم حاصل کرنا تھی، وہ ہجرتوں میں گذر گیا۔ سارا سواد بذریعہ مطالعۂ کتب حاصل کیا ہے۔ لیکن ان کی کتاب بہار ایجادی بیدل دیکھ کر اندازہ نہیں ہوتا کہ ان کی تعلیم واجبی ہے۔ باتیں بہت کرتے ہیں (جسے عربی میں ''مکثر'' کہتے ہیں) اور ساتھ یہ جملہ بھی کہتے ہیں: ''مجھے خاموش رہنا چاہیے، آپ بولیں، آپ کی باتیں سننا چاہتا ہوں''۔ دل چسپ آدمی ہیں۔ سعودی عرب میں اردو کی شمع جلا رکھی ہے، ساتھ مخطوطات کا ذوق بھی ہے۔

## مکتبۂ عارف حکمت میں:

یکم جون، صبح، نعیم حامد صاحب گاڑی لے کر ہوٹل آئے۔ آج وہ عربی لباس میں ملبوس تھے۔ پہلی نظر میں پہچان ہی نہ پایا۔ گذشتہ دو دنوں سے میں انھیں پاکستانی لباس میں دیکھ رہا تھا۔ آج چونکہ ان کے ساتھ مکتبۂ ملک عبدالعزیز جانا تھا، کہنے لگے رسمی لباس پہننا ضروری تھا۔ ظاہر ہے جب ساری عمر حجاز میں گذری ہے تو عربی بھی فر فر بولتے ہیں۔ مکتبۂ ملک عبدالعزیز کے مدیر سے ملے۔ مدیر صاحب کو تذکرۂ شرافت نوشاہی کا ایک نسخہ اور ''فکر و نظر'' میں چھپے اپنے مقالات کے آف پرنٹس دیے۔ ایک مقالہ تو خود اسی مکتبہ کے مخطوطات کے بارے میں تھا۔ جو پچھلے سفر میں دیکھے تھے۔ ذخیرۂ عارف حکمت میں چند مخطوطات دیکھے۔

صبح کی شفٹ کے کتابدار ابھی تک، وہی عبدالصمد جان ہیں، جو مخطوطات دکھانے میں ذرا سختی سے کام لیتے ہیں۔ مدیر کی اجازت سے مصحف شریف کی گیلری بھی دیکھی۔ یہاں مصاحف کے علاوہ بھی مخطوطات ہیں۔ نعیم حامد صاحب تو چلے گئے اور میں نماز عصر کے بعد دوبارہ ذخیرۂ عارف حکمت دیکھنے گیا اور شام کی شفٹ کے کتابدار ماجد العوفی سے ملا۔ اُسی خوش اخلاقی سے ملے جو ان کے مزاج کا حصہ ہے۔ دل کو ڈھارس بندھی کہ اب یہاں مخطوطات دیکھنے میں دقت نہیں ہوگی۔ چنانچہ شام کی شفٹ میں آٹھ مخطوطات دیکھ لیے۔ چار صبح کے وقت دیکھے تھے۔ نماز مغرب کے بعد دوبارہ مکتبہ چلا گیا۔ دل میں افسوس بھی رہتا کہ پہلے دو دن، عصر اور مغرب کا درمیانی وقت ریاض الجنہ میں گذرتا تھا، آج وہی وقت، کتب خانے کی نذر کیوں کر دیا ہے؟ یہاں مخطوطات کی کشش لاتی تھی۔ عجیب کشمکش میں تھا۔ روضۂ رسول میں رہوں یا مخطوطات کے درمیان؟

## نعیم حامد سے مکرر ملاقات:

۲ر جون، صبح نعیم صاحب نے گاڑی بھیجی اور اپنے گھر بلوایا۔ آج ملاقات کا مقصد یہ تھا کہ وہ مجھ سے چاہتے تھے کہ میں ان کی کتاب بہار ایجادی بیدل کا فارسی ترجمہ کردوں۔ میں نے کہا خود تو نہیں کرسکوں گا، کسی سے کروادوں گا۔ کہنے لگے ٹھیک ہے۔ وہ پہلے اس کا ایک ملخص تیار کریں گے، اس سے ترجمہ ہوگا۔ [لیکن اب تک ایسا کچھ نہیں ہوا۔]

ان کا گھر، جیسا کہ میں نے بتایا جبل احد کے بالکل سامنے واقع ہے۔ درمیان میں بس ایک سڑک ہے۔ انھوں نے ایک ایسا زاویہ تلاش کیا جہاں کھجوروں کے درخت پیش منظر میں اور عقب میں پہاڑ تھا۔ وہاں کھڑے ہوکر تصویریں بنائیں۔

## دوبارہ مکتبہ عارف حکمت میں:

عصر کے بعد دوبارہ مکتبۂ عارف حکمت میں مخطوطات دیکھے۔ عجیب نادر کتابیں سامنے آتی رہیں۔ وقت کم ہوتا ہے، سب یادداشتیں نہیں لے سکتا۔ ماجد العوفی آج مجھے اوپر مخزنِ مخطوطات میں لے گئے، جہاں صرف کتابدار یا عملہ ہی جا سکتا ہے۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ ہر کتاب ایک گتے کے ڈبے میں رکھی ہے۔ یہ اہتمام خود عارف حکمت نے کیا تھا۔ ہر مخطوطہ مجلّد ہے اور عمدہ حالت میں ہے۔ ہر مخطوطہ کے اوپر کاغذی غلاف چڑھا ہوا ہے۔ کوئی مخطوطہ خستہ حالت میں نہ تھا۔ حفاظتِ مخطوطات کا یہ اہتمام دیکھ کر دل خوش ہوا۔

سیّد احمد عارف، حکمت تخلص، استنبول شہر میں ۲۷ر محرّم الحرام کی رات، ۱۲۰۱ھ/ ۱۷۸۷ء کو پیدا ہوئے۔ ان کے والد سیّد ابراہیم عصمت، استنبول کے رئیس العلماء اور نقیب السادات بنے اور بہت بڑے عالم تھے۔ دو بار سرکاری فوج کے قاضی بھی بنے۔ تین زبانوں، عربی، فارسی، ترکی میں ان کا دیوان ہے۔ ان کے دادا سیّد رائف اسمٰعیل پاشا بھی فارسی اور ترکی زبانوں کے صاحبِ دیوان شاعر تھے۔ عارف حکمت عثمانیوں کی طرف سے قدس شریف، مصر اور مدینۂ منورہ کی قضا پر مامور رہے۔ ۱۲۶۲ھ/ ۱۸۴۶ء میں آستانہ کے مقام پر وہاں کے شیخ الاسلام مقرر ہوئے اور ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۴ء تک اس عہدے پر کام کرتے رہے۔ وہیں ۱۲۷۵ھ/ ۱۸۵۸ء میں انتقال کیا۔ ان کی تصانیف سے الاحکام المرعیّة فی الاراضی الامیریّة (عربی)، تکملۂ کشف

الـــظـــنـــون اورعربی، فارسی وترکی اشعار کا دیوان (مطبوعہ) موجود ہیں۔ان کے حالات اسماعیل پاشا بغدادی کی ھـــدیـہ العارفین [طبع بیروت، بلا تاریخ (طبع استنبول ۱۹۵۱ء کا عکس)، ج ا،ص ۱۸۸ بذیل ''احـمـد عارف حكمت''] اور زرکلی کی الاعلام (طبع بیروت، ۱۹۹۰ء، ج ا،ص ۱۴۱، بذیل ''احـمـد عـارف حكمت''، متن میں سال ولادت ۱۲۰۰ھ اور حاشیے میں ۱۲۰۱ھ دیا ہے۔) میں دیکھے جاسکتے ہیں۔زرکلی نے ان کے حالات پر شہاب محمود الوسی کی کتاب شھیّ النغم فی ترجمة عارف الحكم (قلمی) کا ذکر کیا ہے۔

جیسا کہ ذکر ہوا، عارف حکمت مدینہ کے قاضی تھے اور یہاں مقیم رہے تھے۔کتب کی جمع آوری کا شوق تھا اور یہاں اپنی جایداد اپنے کتب خانے کے لیے وقف کردی۔ ماجد العوفی نے بتایا کہ عارف حکمت نے جو وقف اس کتب خانے کے لیے کیا تھا، اب اس کی آمدن کا کچھ پتا نہیں کہ کہاں جاتی ہے۔ماجد العوفی نے مجھے اس وقف نامہ کی ایک نقل بھی فراہم کی۔

مکتبہ عبدالعزیز کی دیواروں پر شیشے کے فریموں میں عثمانی دور کے وہ پردے، جو مسجد نبوی کے دروازوں پر لٹکائے جاتے تھے، آویزاں ہیں۔یہ سب سبز رنگ کے ہیں۔

۳رجون کا سارا دن بھی، نماز کے اوقات کے علاوہ، ذخیرہ عارف حکمت میں گذرا۔میں اصل میں یہاں برصغیر کے نادر مخطوطات کی تلاش میں آیا تھا، لیکن کام کے دوران ایسے ایرانی مخطوطات بھی سامنے آجاتے جن سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا تھا۔ایک نسخہ افـواج الامـواج مـن بـحـار الاشواق المكتوب الى القرابه تصنیف ابوسعید عبدالباقی بن علی بن عبدالحق الملقب بفرید الکازرونیتھا۔جو ۷۸۷ھ کی تصنیف ہے اور شیخ علاء الدولہ سمنانی کے سلوک پر مبنی ہے۔مصنف خود شیخ کے مریدوں میں ہے اوران کی خانقاہ میں مقیم رہا ہے۔اس کی سی ڈی ماجد العوفی کے مشورے پر بنوائی۔کل ۲۶۲ ریال صرفہ تھا۔مدیر سے بہت کہا تخفیف کردیں لیکن انھوں نے محض ۱۲ ریال کی تخفیف دی۔ایک اور رسالہ واقعۂ نہب تبریز کے دو نسخے وہاں تھے۔یہ ۷۸۷ھ میں تبریز میں آتش زنی، علما کے قتل عام، عورتوں کی بے حرمتی اور مقتول علماء کے حالات پر رسالہ ہے۔عبدالصمد جان کے مشورے سے اس کی رنگین فوٹو کاپی بنوائی۔اس کی اُجرت ڈیڑھ ریال فی صفحہ تھی۔سی ڈی بنوانے کی ۲ ریال فی ۲ صفحہ (آمنے سامنے) ہے۔جب یہ فوٹو بن کر آئے تو مَیں حیران رہ گیا۔کیونکہ بالکل اصل کے مطابق، رنگین تھے۔سائز بھی نسخے جیسا تھا۔ایک نسخہ جو عرض وطول میں بڑا تھا، اس کے لیے بڑی شیٹ استعمال کی گئی۔اسے چھوٹا (Reduce) نہیں کیا گیا۔کاش سی ڈی کی جگہ یہی کاپی بنوائی ہوتی۔عبدالصمد جان نے بتایا تھا یہاں جدید ترین مشینری اس کام کے لیے نصب ہے۔میرا خیال ہے کہ اگر کسی نسخے کا فاکسیملہ ایڈیشن چھاپنا ہو تو یہاں سے چھپوانا چاہیے کیونکہ یہ اصل کے بہت قریب تر ہوتا ہے۔میرا ارادہ ان دونوں رسائل (افواج، نہب تبریز) کو چھپوانے کا تھا۔عمرہ سے واپسی پر ان کو کمپوز بھی کرلیا لیکن تاحال شایع نہیں کرسکا۔اسی دوران رسالہ نہب تبریز، تہران سے سید محمد صادق نے ایڈٹ کرکے رسالہ پیام بہارستان، دفتر سوم، ۱۳۸۹ شمسی میں شایع کردیا ہے۔اگرچہ اس سے پہلے بھی جعفر سلطان القرائی نے اسے روضات الجنان وجنّات الجنان کی تعلیقات میں شایع کردیا تھا لیکن وہ ناقص اشاعت تھی۔یہ سب اشاعتیں عارف حکمت کے نسخے پر مبنی ہیں۔

آج یہاں کتب خانے میں میرا آخری دن تھا۔شام کی شفٹ میں ماجد العوفی نے دس بارہ نسخے دکھائے۔جب آخری نسخہ ہاتھ میں لیا تو انھوں نے بتایا کہ نماز عشا سے قبل اب صرف پانچ منٹ کا وقت باقی ہے(نماز عشا کے وقت کتب خانہ بند کردیا جاتا ہے)۔نسخہ کے مندرجات دیکھے تو یہ بہت ہی اہم تھے۔افسوس ہوا کہ میں وقت کی تنگی کے باعث کچھ نہ لکھ سکوں گا۔کاش اسے پہلے دیکھا ہوتا۔یہ ترجمہ تاریخ العتبی (رقم ۹۰۲/۴۷) تھا۔میں نے نسخے سے صرف مترجم رکاتب کا نام نقل کیا اور وقت ختم ہوگیا۔میری کیفیت اُس طالب علم کی تھی جو کمرۂ امتحان میں ہو اور وقت ختم ہونے پر ممتحن اس سے پرچہ چھین لے، جب کہ اسے ابھی بہت کچھ لکھنا ہو۔

## جوارِ مدینہ کی زیارات:

۴رجون کو اہل خانہ کو لے کر مسجد نبوی کے جوار میں واقع مساجدِ غمامہ، ابوبکر اور علی ابن ابی طالب لے کر گیا۔غمامہ اور ابوبکر مسجدوں کی مرمت ہو رہی تھی۔مسجد علی پر شیعہ زائرین کا جمگھٹا تھا اور ایک آخوند صاحب سب زائرین کو اکٹھا کر کے اس مسجد کی تاریخ بیان کر رہے تھے۔

میں رات کو کھجور منڈی چلا گیا۔کھجوریں خریدیں۔یہاں دکان والے اکثر پنجابی ہیں اور ہاکا لگا کر گاہکوں کو بلاتے ہیں۔دکان وار زائرین کا لباس دیکھ کر اندازہ لگا لیتے ہیں کہ پاکستانی ہیں اور ان سے اسی زبان میں بات کرتے ہیں۔یہاں کے مقامی لوگ جو حرم کے پاس کاروبار کرتے ہیں اور ٹیکسی ڈرائیور جو زیارات پر لے جاتے ہیں، ریڑھی ٹھیلے والی عورتیں، دکاندار سب اردو، فارسی زبانوں کے دو چار جملیا ور گنتی جانتے ہیں۔حرمین میں بھی متوسط عورتیں اور مرد، چند کلمات اردو، فارسی کے بولتے ہیں جیسے چلو، بالا، خانم، برو وغیرہ۔

## مسجد نبوی میں نماز جمعہ:

۵رجون: جمعۃ المبارک کا دن آپہنچا تھا۔مجھے یاد تھا پچھلی دفعہ جب پہلا جمعہ پڑھنے مسجد نبوی گیا تھا تو دیر ہو جانے کی وجہ سے چھت پر جگہ ملی تھی۔آج احتیاطاً صبح دس بجے ہی مسجد چلا گیا۔خواہش تھی کہ ریاض الجنۃ میں جگہ ملے۔خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اُس وقت پورے ریاض الجنۃ کی صفائی ہو رہی تھی۔کارندوں نے جگہ کے تینوں اطراف پٹی باندھ رکھی تھی۔میں پٹی کے پاس کھڑا ہو گیا کہ جونہی صفائی مکمل ہوگی یہ پٹی ہٹا دی جائے گی اور ریاض الجنۃ میں چلا جاؤں گا۔اور لوگ بھی وہاں جمع ہونے لگے۔جہاں میں کھڑا تھا وہاں صفائی کرنے والے پاکستانی عملہ نے بتایا کہ پہلے پٹی فلاں طرف سے ہٹائی جائے گی۔سو میں وہاں پہنچ گیا۔جونہی پٹی ہٹی، لوگوں نے ریاض الجنۃ کے اندر یلغار کر دی۔مسجد کی حرمت کا بھی خیال نہ کیا۔میں بھی اندر پہنچ گیا اور اطمینان سے ریاض الجنۃ میں جگہ مل گئی۔جوں جوں وقت گذرتا گیا، ریاض الجنۃ نمازیوں سے بھرتا گیا۔اس کے بعد جو لوگ آتے، وہ بیٹھے ہوئے لوگوں کے آگے پیچھے کھڑے ہو جاتے کہ شاید کوئی آدمی اٹھ جائے اور اسے بھی جگہ مل جائے۔میرے پاس ایک انڈونیشی زائر کھڑا ہو گیا۔مجھے اس نے اشارہ کیا کہ اسے دو رکعت نفل پڑھنے کے لیے جگہ دے دی جائے پھر وہ چلا جائے گا۔میں نے

اسے جگہ دے دی۔اس نے اطمینان سے دو رکعت نفل پڑھے اور وہ ہاتھ ملا کر، شکریہ ادا کر کے جانے لگا۔ میں نے کہا نہیں، یہیں بیٹھے رہو، ہم لوگ سمٹ کر بیٹھ جائیں گے۔ وہ بیٹھ گیا اور انگریزی میں کہنے لگا کہ اسے یقین نہیں تھا کہ آج ریاض الجنۃ میں جگہ مل جائے گی۔ میں اُس وقت اتفاق سے سورۂ فتح کی آخری آیات تلاوت کر رہا تھا کہ مومنین آپس میں رحم دل ہیں اور رکوع وسجود کرنے والوں کی پیشانیوں اور چہروں پر نشانیاں ہیں۔اس موقع کو اسی آیت کی تعبیر جانا۔

کوئی تین گھنٹے ریاض الجنۃ میں گذارے۔نماز ختم ہوئی۔ مجھے معلوم تھا کہ آج یہ مواجہہ شریف کی آخری حاضری ہو گی۔ اُدھر گیا تو وہاں بھی پولیس نے ''ناکہ'' لگایا ہوا تھا۔ پولیس یوں کرتی تھی کہ بعض لوگوں کو ایک طرف سے گذارتی تھی اور ریاض الجنۃ کے اندر سے نکلنے والوں کو دوسری قطار سے۔ میں ریاض الجنۃ سے نکل کر باہر چلا گیا تھا اور غلطی سے ایسی صف میں شامل ہو گیا جو مواجہہ شریف سے قدرے دور ہو کر گذرتی تھی۔ میں دوبارہ ناکہ کے قریب کھڑا ہو گیا کہ جونہی ناکہ کھلے گا یہاں سے جاؤں گا کہ یہ مواجہہ شریف کے پاس سے گذرنے والی صف ہے۔ پولیس پکار پکار کر کہہ رہی تھی کہ چلو چلو، لیکن لوگ کھڑے رہے کہ اسی صف سے سیدھے نکلیں گے جو مواجہہ شریف کے پاس سے گذرتی ہے۔ میں بھی کھڑا رہا۔اسی اثنا میں پولیس نے ناکہ کھول دیا اور میں سب سے آگے اطمینان سے حاضری دے کر گذر گیا۔ اِس سفر میں دیکھا کہ پولیس نے مواجہہ شریف اور گذرگاہ کے درمیان ایک طرح سے رکاوٹیں کھڑی کر دی ہیں تاکہ لوگ جالی کو ہاتھ نہ لگائیں۔ پچھلے سفر میں ایسا نہ تھا۔اُس بار یہ ممکن تھا کہ زائر جالی کو ہاتھ لگا سکتے ہیں۔ اگرچہ تب بھی پولیس کی طرف سے ممانعت رہتی تھی، لیکن یار لوگ آنکھ بچا کر یہ کام کر لیتے۔اب یہ امکان ختم ہو گیا ہے، کیونکہ زائرین مواجہہ شریف سے ہٹ کر گذرتے ہیں۔ رش کے اوقات میں وہاں زائرین تک کر کھڑے نہیں ہو سکتے۔ پولیس ساتھ ساتھ انھیں آگے چلاتی رہتی ہے۔لیکن صبح آٹھ تا دس بجے ایسا نہیں ہوتا۔آپ جتنی دیر مرضی مواجہہ شریف کے سامنے کھڑے ہو کر درود وسلام پڑھیں۔بس دعا کے لیے ہاتھ نہ اٹھائیں۔ پولیس اِس سے روکتی ہے۔

## مسجد نبوی سے وداع:

باب البقیع سے باہر نکلا تو ایک بار پھر دور سے گنبد خضرا پر نظر ڈالی اور الوداعی سلام کیا اور جامی کا یہ شعر پڑھ کر رخصت ہوا:

مشرف گرچہ جامی شد ز لطفت
خدایا این کرم بارِ دگر کن

## مدینہ سے رخصتی:

تین بجے ہوٹل چھوڑا۔مخصوص بس نے مسافروں کو سوار کیا۔بس والے نے پہلے مدینے کی زیارتیں کروائیں۔ شہدائے جنگِ احد کی قبور مبارک پر فاتحہ خوانی کی۔ پھر بس میں بیٹھے بیٹھے ہی مسجد قبلتین اور مسجد جنگ خندق دکھا دی گئیں۔ زائرین نے اعتراض کیا کہ بس سے اتار کر زیارتیں کروائی جائیں، لیکن ڈرائیور نے، جو برمی نسل کا نوجوان تھا اور اردو بنگالیوں کے لہجے میں بولتا تھا، اس نے بتایا کہ وہ چاہتا ہے ہم لوگوں کو نماز عصر با جماعت مسجد قبا میں مل جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔وہاں پہنچے تو

اذان ہو رہی تھی۔ دو رکعت نفل کے بعد نماز عصر با جماعت ادا کی۔ پھر مسجد میقات گئے۔ ہم تینوں نے احرام نہ باندھا۔ ہمارا خیال تھا کہ مکّہ پہنچ کر اگلے روز مسجد عائشہ سے احرام باندھ کر عمرہ کر لیں گے۔ لیکن ڈرائیور نے بتایا کہ اگر عمرہ کے لیے یہاں سے احرام نہ باندھا تو ہمیں ''دَم'' (کچھ زر تلافی) دینا پڑے گا۔ میرے پاس احرام نہ تھا، چنانچہ جلدی سے وہیں سے ۱۸ ریال میں نیا احرام خریدا اور باندھ لیا۔ خواتین نے بھی نیّت کر لی اور یوں ہم مکّہ کی طرف روانہ ہوئے اور رات گئے عمرہ ادا کیا۔

## مولد النبی کی زیارت:

۷ر جون، آج اہل خانہ کے ساتھ اس جگہ کی بھی زیارت کی جو مولد النبی ہے اور اب وہاں مکتبۂ مکّہ المکرّمہ بنا دیا گیا ہے۔ پچھلی دفعہ یہاں پر زائرین کے لیے ایک ہدایت نامہ دیکھا تھا جس پر لکھا تھا کہ اس مقام کو زیارت گاہ نہ بنایا جائے۔ اب کے وہ بورڈ نظر نہ آیا۔ لوگ (زائرین) بھی کم تھے۔ ہم تین لوگ تھے اور ایک ترک خاندان۔

## ایرانیوں کی نعرہ زنی:

۸ر جون: عمرہ کی نیت سے مسجدِ عائشہ گئے۔ یہ عمل فجر کی نماز کے بعد شروع ہوا اور سوا نو بجے ختم ہوا۔ حرم سے مسجد عائشہ تک ویگن کا کرایہ تین سال پہلے بھی دو ریال تھا، اب بھی اتنا ہی ہے۔ سعی کے دوران ایرانی زائرین کی ایک جماعت ''اللہ اکبر'' کے علاوہ ''یا حسین'' کا نعرہ بھی مسلسل بلند کر رہی تھی! ایک زمانہ تھا کہ حج کے موقع پر بھی ایرانی حجاج، امریکہ اور اسرائیل کے خلاف نعرے لگایا کرتے تھے۔ یہ روایت ایران کے اسلامی انقلاب (۱۹۷۹ء) کے بعد شروع ہوئی تھی۔ ایرانی حکومت اس نعرہ زنی کو ''مشرکوں سے برأت'' کا اعلان اور ان سے بے زاری کا اظہار کہتی تھی۔ اس روایت میں اتنی شدت پیدا ہوئی کہ ۱۹۸۷ء کے حج کے موقعے پر سعودی پولیس اور ایرانی زائرین کے درمیان تصادم ہو گیا اور ۲۷۵ ایرانی حاجی مارے گئے۔ اس کے بعد کئی سال تک ایرانیوں کا حج کے لیے سعودی عرب میں داخلہ بند رہا۔

## قُربتِ کعبۃ اللہ میں:

میں جتنے دن مسجد الحرام میں رہا، نماز مغرب اہتمام کے ساتھ رکن یمانی اور حطیم کو ملانے والی دیوارِ کعبہ کے ساتھ یا اس کے سامنے پڑھتا رہا۔ وہاں میرے اور دیوار کعبہ کے درمیان کچھ اور حائل نہیں ہوتا تھا۔ وہاں نماز مغرب سے آدھا گھنٹہ پہلے جا کر جگہ لینا پڑتی۔ قربت کعبۃ اللہ کے علاوہ، جو میرا اصل مقصود تھا، وہاں نماز پڑھنے کے کچھ اور فوائد بھی حاصل ہوئے اور کچھ چیزیں علم میں آئیں۔ امام کعبہ بھی اسی جگہ سے گذر کر مصلّی کی طرف جاتے تھے اور محافظین (پولیس) کی ایک جماعت ہم اگلی صف والوں کو ''طریق امام'' کہہ کر تھوڑا پیچھے ہٹاتی تا آنکہ امام صاحب وہاں سے گذر جاتے اور ہم دوبارہ آگے سرک کر بیٹھ جاتے۔ اس طرح امام صاحب کو بھی روزانہ دیکھ لیتا۔ کعبۃ اللہ کے متصل بیٹھنے سے پہلے دن نظر آیا کہ غلاف کعبہ کے بند کے کچھ دھاگے بوسیدہ ہو کر نیچے لٹک رہے ہیں۔ دل میں خیال گذرا کہ کل قینچی جیب میں ڈال کر لاؤں گا اور یہ لٹکے ہوئے دھاگے کاٹ

لوں گا۔اسی اثنا میں ایک آدمی آیا اور اس نے غلافِ کعبہ کو دیکھنا بھالنا شروع کیا۔ جہاں سے دھاگے لٹکے ہوئے تھے، قینچی سے کاٹے اور وہ جگہ سوئی دھاگے سے دوبارہ سی دی۔ جو دھاگے وہ قینچی سے کاٹتا، اپنے پاس ایک خریطہ میں ڈال لیتا۔ یہ مسجد الحرام کا سرکاری خیاط تھا جو روزانہ اذانِ مغرب کے وقت آتا اور جہاں سے غلاف کعبہ کے بند ڈھیلے ہوتے، سی دیتا۔ آگے بیٹھے ہوئے لوگ یہ منظر بخوبی دیکھتے اور ایک حسرت بھری نگاہ اس خریطے پر بھی ڈالتے جس میں خیاط غلاف کعبہ کے وہ دھاگے رکھتا تھا۔ سب کی خواہش ہوتی کہ یہ کٹے ہوئے دھاگے بطور تبرک اُسے مل جائیں۔ دل میں میری بھی یہی آرزو تھی، مگر مجھ سے پہلے ایک ایرانی زائر یہی آرزو اپنی زبان پر لے آیا۔ خیاط نے عربی میں جواب دیا جو انکار پر مبنی تھا۔ ایک عربی بولنے والے نے بھی دھاگے کی کترن مانگی تو اسے بھی انکار ہوا۔ یعنی خیاط کو معلوم تھا کہ اگر ایک شخص کو کترن دی تو سب لوگ ہاتھ پھیلائیں گے اور ایک ہنگامہ برپا ہوگا۔ خیر، وہ کترن تو نہ مل سکی، لیکن ایک روز اس کی قینچی سے جھڑے ہوئے کچھ دھاگے ہمارے سامنے فرش پر گر گئے۔ ہم لوگوں نے، جو آگے بیٹھے ہوئے تھے، وہ اٹھا لیے۔ میں نے جب یہ دھاگے کی تار اٹھائی تو میرے ساتھ بیٹھے ہوئے ایک سعودی نے یوں تیوری چڑھائی گویا میں کسی شرک کا مرتکب ہوا ہوں! باقی لوگوں نے بھی وہ نہایت معمولی چھوٹے چھوٹے دھاگے اٹھا لیے اور رکھ لیے۔ میں نے وہ دھاگہ اسی وقت نگل لیا۔

اذانِ مغرب کے وقت غلافِ کعبہ پر انتظامیہ کے کچھ لوگ عطر ملتے، جس سے سارا دن اس سے ایک مہک سی اٹھتی رہتی۔ جب ہم غلافِ کعبہ کا بوسہ لیتے یا اس پر اپنا چہرہ رگڑتے تو یہ خوشبو، مشام جان میں اُتر جاتی۔ دیوار کعبہ کے سائے میں بیٹھ کر یہ بھی دیکھا کہ غلافِ کعبہ کا وہ حصہ، جو زائرین کی دسترس میں ہوتا ہے اور سارا دن زائرین اس پر ہاتھ اور چہرہ ملتے رہتے ہیں، وہ گھِس چکا ہے اور غلافِ کعبہ کے اوپر والے حصے کے مقابلے میں بوسیدہ نظر آتا ہے۔ لفظ ''بوسیدہ'' کا استعمال یہاں بہت دلچسپ ہے۔ ایرانی فارسی میں ایسے مقام پر لفظ ''پوسیدہ'' [پوسیدن مصدر سے] استعمال ہوتا ہے یعنی گھِسا ہوا۔ جب کہ ''بوسیدہ'' [بوسیدن مصدر سے] کا مطلب ہے چوما گیا۔ غلاف کعبہ کے اس حصّے پر ان دونوں الفاظ کا اطلاق ہوتا ہے۔

رکن یمانی کو صرف لمس کرنے کا حکم ہے لیکن اب اکثر زائرین اسے بوسہ بھی دیتے ہیں۔ شُرطے اور متوے منع کرتے رہتے ہیں، لیکن ان کی کوئی نہیں سنتا۔ چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، رکن یمانی کے مقام پر پیدا ہوئے تھے، شیعہ/ایرانی زائرین اسے خصوصاً چومتے ہیں۔

حجر اسود کا بوسہ لینا اب ہر کس و ناکس کا نصیب نہیں ہے۔ جو جسمانی زور رکھتا ہے وہ یہ کام کر لیتا ہے، جو کمزور ہے وہ دور سے دیکھا کیے! بوسہ لینا اتنا مشکل نہیں، جتنا بوسہ لینے کے بعد وہاں سے باہر نکلنا۔ کاش اس نظام کی کوئی اصلاح ہو سکے۔

## بے حضوری کی کیفیت:

۱۰ ارجون کو سعودی عرب آئے ہوئے سولہ دن ہو چکے تھے۔ ان میں سے آٹھ دن مسجد الحرام میں گذرے۔ روزانہ کا معمول ایک جیسا ہی تھا۔ مسجد الحرام میں آنا، نماز کے وقت نماز پڑھنا، قرآن مجید کی تلاوت کرنا، کبھی تھک کر ستا لینا، کبھی سونا،

طواف کرنا، وغیرہ۔اب مجھے یہاں اپنے اعمال، تکرارِ مکرّرات محسوس ہونے لگے۔تکرار کے اس احساس سے حضوری کا ذوق و شوق بھی ماند پڑ گیا۔اب صرف دوران طواف ان لوگوں کا مشاہدہ کر کے اپنے شوق کو مہمیز لگانے لگا جو بڑے خشوع وخضوع سے دعائیں مانگتے، حاجات طلبی کرتے، کعبے کے غلاف سے لپٹتے۔متوعے انھیں منع کرتے، لیکن وہ موقع پا کر پھر لپٹ جاتے۔ہر ملک کے زائر کا خضوع وخشوع دیکھنا خود ایک دل چسپ تجربہ ہے۔اپنے اندر حضوری پیدا کرنے کے لیے طوافِ کعبہ کرتے وقت میں ان لوگوں کے پیچھے پیچھے چلتا جن پر رقّت زیادہ طاری ہوتی اور وہ رقّت آمیز حالت میں دعائیں مانگتے اور میں بھی وہی دعائیں مانگتا اور دہراتا اور ''آمین، آمین'' کہتا۔خانۂ کعبہ کو اپنے سامنے پا کر ہر کوئی احساسات سے مغلوب ہو جاتا ہے۔عورتیں تو روتی ہی ہیں، مردوں کو بھی روتے دیکھا۔نہ معلوم مجھ پر ایسی رقّت کیوں طاری نہیں ہوتی تھی؟ آنسو جاری نہیں ہوتے تھے جس میں سب کچھ بہہ جائے؟ صرف پہلے روز جب خانۂ کعبہ پر نظر پڑی تو اپنی ہمشیرہ صاحبہ کو بتانے کے لیے کہ یہ ہے وہ مقام ہے جس کے لیے آپ نے سفر کیا ہے، مجھ پر ہلکی سی رقّت طاری ہوئی تھی اس کے بعد نہیں۔

## اپنے اساتذہ کے لیے ایک عمرہ:

۱۱ر جون کو نماز فجر کے بعد ایک عمرہ کیا جو اپنے مرحوم اساتذہ اور مرحوم علمی احباب کی طرف سے تھا:

-پرائمری سکول کے: خوشی محمد صاحب، عطا اللہ صاحب۔

-ہائی سکول کے: مولوی محمد شریف صاحب، چوہدری محمد نذیر صاحب۔

-تہران یونیورسٹی کے: احمد طاہری عراقی صاحب، جعفر شہیدی صاحب، حسن لسان صاحب، احمد تفضلی صاحب۔

-مرحوم علمی احباب سے: محمد ایوب قادری، خلیل اللہ خلیلی، حکیم محمد موسیٰ امرتسری، مشفق خواجہ، ڈاکٹر نذیر احمد علی گڑھ۔

جن کے اسماء لکھے گئے، مراد صرف یہی لوگ نہیں تھے، بلکہ وہ بھی جن کے اسماء فی الوقت ذہن میں نہیں آ رہے۔نیّت میں سب اساتذہ اور علمی احباب تھے۔اسی طرح ایک طواف ان تمام لوگوں کے لیے بلا استثنیٰ کیا جنھوں نے میرے حق میں کسی طرح بھی نیکی کی ہے۔خدا سے ان کے لیے احسان کی جزا احسان طلب کی۔

ایک طوافِ کعبہ، مصنفینِ سلسلۂ نوشاہیہ بالخصوص میرزا احمد بیگ، حافظ محمد حیات نوشاہی، محمد ماہ صداقت کنجاہی، محمد اشرف منچری، عمر بخش نوشاہی رسول نگری اور حضرت شرافت نوشاہی-رحمہم اللہ اجمعین- کے ایصال ثواب کے لیے کیا۔

## مسجد الحرام میں آخری جمعہ:

۱۲ر جون، جمعۃ المبارک کا دن تھا۔اس اندیشہ سے کہ آج نمازِ جمعہ کا ہجوم زیادہ ہوگا اور مناسب جگہ نہیں ملے گی، ہم لوگ صبح ساڑھے دس بجے ہی ہوٹل سے نکل پڑے۔طریق ابراہیم خلیل پر آئے تو دیکھا کہ نماز جمعہ سے دو گھنٹے سے قبل ہی تمام زائرین اور نمازی حضرات مسجد الحرام کی طرف جا رہے ہیں۔جوں جوں مسجد الحرام کے قریب تر پہنچتے گئے، دیگر راستوں سے بھی نمازی امڈے آ رہے تھے۔یہ دنیا کی واحد مسجد ہے جہاں ایک نماز کے لیے اس قدر لوگ اس کی طرف جوق در جوق جا رہے

ہوتے ہیں۔الحمدللہ کہ ہمیں بھی مطلوبہ جگہ مل گئی۔

جمعہ کی نماز کی دو اذانیں ہوتی ہیں۔ پاکستان میں دونوں اذانوں کے بیچ، خطیب صاحب کا طویل خطبہ ہوتا ہے۔یعنی پہلی اذان کے بعد ہمارے ہاں اردو یا مقامی زبان میں خطبہ ہوتا ہے، پھر نمازیوں کو چار سنّت پڑھنے کی مہلت دی جاتی ہے، اس کے بعد دوسری اذان ہوتی ہے اور عربی میں خطبہ ہوتا ہے۔اس کے بعد اقامتِ نماز ہوتی ہے۔ یہاں مسجد الحرام میں بارہ بج کر بیس منٹ پر پہلی اذان ہوئی۔خطیب صاحب نے صرف ''السلام علیکم'' کہا اور دوسری اذان ہوگئی۔اس کے بعد عربی زبان میں خطبہ ہوا اور تقریباً بارہ بج کر پینتالیس منٹ پر اقامۃ الصلوٰۃ ہوئی۔خطبہ میں خلفاے راشدین کے نام لیے گئے۔

## وطن کی تاہنگ:

اب ''حبّ الوطن من الایمان'' کی حقیقت ظاہر ہو رہی تھی۔واپس وطن جانے کے لیے دن گننا شروع کر دیئے۔کعبۃ اللہ ایک مسلمان کے لیے روے ارض پر مقدس ترین مقام ہے۔اس سے بڑھ کر اور کیا سعادت ہو سکتی ہے کہ آپ پانچوں نمازیں باجماعت، کعبۃ اللہ کے روبرو ادا کریں، دن کے کم از کم نو دس گھنٹے حرم میں گذاریں جہاں ہر وقت نور اور رحمت کا نزول ہوتا رہتا ہے۔لیکن بشری اور مدنی زندگی کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں۔ایک ہی عمل کی ہو بہو روزانہ تکرار، عمل کی روح کو متاثر کرتی ہے اور یہ محض ایک عادت بن کر رہ جاتا ہے۔دوسرا، ہم گذشتہ بیس دن سے باہر کی دنیا سے بالکل کٹے ہوئے تھے۔اپنے بچوں کو اتوار کے روز صرف دو منٹ کے لیے فون کرتے، وہ بھی ان کی تسلی کے لیے۔باقی دنیا اور پاکستان میں کیا ہو رہا ہے؟ کچھ خبر نہیں تھی اور نہ ہی جاننے کی خواہش تھی۔کسی جگہ رہنے کے لیے ہمدلی اور ہمزبانی کا ہونا بھی شرط ہے۔وہاں کی معاشرتی زندگی کے آداب واصول سے کچھ واقفیت بھی ضروری ہے۔اگرچہ ہم یہاں رہنے نہیں آئے تھے، لیکن بہرحال بیس دن سے ''رہ'' رہے تھے۔لیکن یہ ''رہنا'' اسی حد تک تھا کہ ہوٹل سے حرم چلے گئے اور حرم سے ہوٹل آ گئے۔نہ کسی سے کلام، نہ سلام۔ میں اپنے لیے اس نتیجے پر پہنچا کہ ایک ہفتہ یا دس دن عمرہ کے لیے کافی ہیں۔

## حرم شریف میں آخری دن:

۱۷ر جون: حرم شریف میں آخری دن تھا۔نماز فجر پڑھ کر واپس ہوٹل آئے اور نماز ظہر کے بعد دوبارہ گئے۔دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد واپس ہوٹل آ کر وطن جانے کے لیے سامان باندھا۔نماز عصر کے لیے دوبارہ حرم گئے۔چونکہ دیر سے پہنچے تھے، جگہ بیرونی سیڑھیوں کے قریب ملی۔نماز پڑھ کر طواف کیا۔طواف کے بعد میں تو مطاف ہی میں بیٹھا رہا اور آخری روز اور آخری لمحات سمجھ کر جو آیات اور دعائیں یاد تھیں، سب پڑھ ڈالیں اور حاجات مانگ لیں۔غلاف کعبہ، رکن یمانی، دروازۂ کعبہ، حطیم کو مس کر کے اور دعائیں مانگ کر، اپنی مستورات کو ساتھ لیا اور دوبارہ خانۂ کعبہ کے پاس گیا تاکہ وہ بھی آخری حاضری دے سکیں۔بیت اللہ شریف پر آخری نگاہ ڈال کر حرم پاک سے باہر نکلے اور ہوٹل پہنچے۔دیگر ساتھی، جنھوں نے آج پاکستان جانا تھا، پہلے ہی گاڑی میں سوار تھے۔ہمارا انتظار تھا۔سو ہم بھی سوار ہوئے اور رات ساڑھے آٹھ بجے مکّہ سے نکل کر دس بجے جدّہ ہوائی

اڈے پر پہنچے۔

## وطن روانگی:

۱۸ر جون: ہماری پی آئی اے کی پرواز میں سوا گھنٹہ کی تاخیر تھی۔ بجائے رات ایک بج کر دس منٹ پر چلنے کے، پونے تین بجے چلی۔ پاکستانی وقت کے مطابق صبح دس بج کر تیس منٹ پر اسلام آباد ہوائی اڈے پر پہنچے۔ دو گھنٹے ہوائی اڈے سے باہر نکلنے کے تقاضوں میں لگ گئے۔ باہر نکلے تو اپنے بچوں کے علاوہ ساہن پال سے احباب بھی استقبال کے لیے آئے ہوئے تھے۔

## حرمین شریفین کے دیگر مشاہدات اور تاثرات:

مکّہ مکرّمہ اور مدینہ منوّرہ میں قیام کے دوران کچھ مشاہدات اور تاثرات کا الگ سے ذکر کیا جاتا ہے:

## پاکستانی ''مساکین'':

مسجد الحرام میں جب ہم ظہر کی نماز پڑھ کر طریق ابراہیم خلیل کی طرف کھانا کھانے کے لیے جاتے تو روزانہ دیکھتے کہ نقل الجماعی بسوں کے اڈے والی مارکیٹ میں ایک طویل قطار، پیچ در پیچ لگی ہوتی جس میں صرف پاکستانی، بنگالی اور کالے افریقی نظر آتے۔ دراصل یہ لوگ وہ خیراتی کھانا لینے کے لیے کھڑے ہوتے جو کوئی صاحب حیثیت مخیّر، وہاں تقسیم کرتا تھا۔ لوگوں کے ہاتھوں میں چاولوں کا ایک پیکٹ اور جوس کا ایک ڈبہ پکڑایا جاتا۔ خیرات لینا اور دینا بُری بات نہیں ہے، لیکن مجھے افسوس اس بات پر ہوتا کہ اس قطار میں زیادہ تعداد پاکستانیوں کی ہوتی۔ یہ پاکستانی، خیرات لینے کی جو برکت ہوتی ہے، اس کے حصول کے لیے نہیں، بلکہ پانچ چھ ریال کھانے کی قیمت بچانے کے لیے کھڑے ہوتے۔ میں سوچتا اس صف میں ترک، ایرانی، انڈونیشی، ملائیشیائی مسلمان کیوں نہیں ہیں؟ ہر قوم خود دار ہے، ہم پاکستانی کیوں نہیں ہیں؟ ہمیں کس چیز نے افلاس زدہ افریقیوں کی صف میں لا کھڑا کیا ہے؟ ہم جو ہزاروں روپے ہوائی جہاز کا کرایہ ادا کر کے یہاں تک پہنچ گئے ہیں، کیا چند مزید روپے روٹی پر خرچ نہیں کر سکتے؟

اس سفر میں جب ہم لوگ مدینہ پہنچے تو پہلی دوپہر آ گئی۔ مجھے کسی پاکستانی مطعم (رستوران) کی تلاش تھی۔ ۲۰۰۵ء کے سفر میں جو مطعم میرے علم میں تھا وہ مسجد نبوی سے کافی دور تھا، لیکن چارہ بھی نہیں تھا۔ میں دونوں مستورات کو ساتھ لے کر ظہر کی نماز کے بعد باہر نکلا۔ چلچلاتی دھوپ اور خوب تمازت میں ہمارا پسینہ بہہ رہا تھا۔ رستوران سے ابھی دو تین سو گز دور ہی تھے کہ ایک جگہ دو گاڑیاں نظر آئیں جو کھانا تقسیم کر رہی تھیں۔ ایک گاڑی خواتین میں کھانا تقسیم کر رہی تھی اور دوسری مردوں میں۔ کھانے کے ڈبے کے ساتھ ٹن والا کوکا کولا بھی تھا۔ چونکہ رستوران کی طرف جاتے ہوئے یہ گاڑیاں اچانک ہمارے سامنے آ گئیں یا یوں کہہ لیں کہ راستے میں آ گئیں تو ہم نے بھی وہاں سے کھانا لے لیا۔ دھوپ میں مطعم جانے کی زحمت سے بچ گئے اور واپس اپنے ہوٹل آ گئے۔ میں نے اس واقعہ کو یوں لیا کہ ہم یہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مہمان ہیں۔ انھوں نے ہمیں مزید دھوپ اور سفر سے بچا لیا اور کھانے کا انتظام راستے ہی میں فرما دیا۔ اس کے بعد ہمارا کبھی اُدھر جانا نہیں ہوا۔ ہم نے اسواق الحرم

میں ہی ایک عربی رستوران تلاش کرلیا، جہاں پاکستانی طرز کے شوربے والے کھانے، بغیر مرچوں کے مل جاتے تھے۔

## مسجد نبوی کے امامین:

مسجد نبوی شریف میں دو پیش امام ہیں۔ فجر کی نماز ایک امام صاحب اور مغرب وعشا کی نماز دوسرے امام صاحب پڑھاتے ہیں۔ مغرب اور عشا والے امام صاحب لگتا ہے نئے نئے آئے ہیں اور ابھی مشق کر رہے ہیں۔ کم از کم تین دفعہ قرأت کے دوران بھولے۔

حرمین کے امام صاحبان جہری نمازوں میں سورۂ فاتحہ پڑھ کر تھوڑا توقف کرتے ہیں، پھر کوئی سورہ پڑھتے ہیں۔ اسی طرح رکوع کے بعد قیام اور سجدے کے درمیان بھی اور دونوں سجدوں کے درمیان بھی توقف ہوتا ہے۔ گویا ٹھہراؤ کے ساتھ نماز پڑھاتے ہیں۔ عجلت نہیں کرتے۔

## نماز میں رقّت:

ایک بار امام صاحب نے نماز عشا کی پہلی رکعت میں سورۃ الاعلیٰ پوری پڑھی اور دوسری رکعت میں سورۂ غاشیہ۔ دوسری رکعت میں جب وہ سورۂ غاشیہ میں آیات اِلامن تولی و کفر فیعذبہ اللہ العذاب الاکبر [مگر جس نے روگردانی کی اور کفر کیا تو اللہ تعالیٰ اس کو بہت بڑا عذاب دے گا] (آیات ۲۳-۲۴) پر پہنچے تو ان پر رقّت طاری ہوگئی اور رندھی ہوئی آواز میں اگلی دو آیات پڑھ کر سورہ ختم کی اور رکوع میں چلے گئے۔ میرا جی چاہ رہا تھا یہ کیفیت طولانی ہو اور امام صاحب ایسی حالت میں مزید آیات تلاوت کریں تاکہ روحانی حظ ولذت حاصل ہوتا رہے۔

ایک روز، مغرب کی باجماعت نماز میں امام صاحب سورۂ آل عمران کی آیات ۱۹-۳۷ تلاوت کر رہے تھے کہ ان کی بھی اچانک ہچکی بندھ گئی۔ جلد ہی انھوں نے خود پر قابو پالیا۔ عجیب سماں تھا۔ لاکھوں مقتدیوں نے یقیناً اس رقّت سے اثر لیا ہوگا۔

## ایرانی زائرین:

ایرانی کاروان عام طور پر فجر کی نماز کے بعد حرم میں داخل ہوتے ہیں۔ پہلے باہر صحن میں اکٹھے ہو کر بیٹھتے ہیں۔ ان کا راہ نما ان کو زیارت کے اعمال وآداب سمجھاتا ہے، پھر وہ آگے بڑھتے ہیں۔ ہر کاروان کسی ایک شہر سے متعلق ہوتا ہے۔ خواتین نے سفید لباس پہن رکھے ہوتے ہیں۔ ان کی پشت پر کاروان کی نشانی اور شہر کا نام ایک پارچے پر لکھا ہوتا ہے۔ بعض تراکیب ول چسپ اور ادبی نوعیت کی تھیں، جیسے: نسیم ویار یار، جویندگان راہ حق، عاشقان بقیع، وصالِ کعبہ۔ ایرانی شہروں کے نام گناباد، تہران، شاہرود، مشہد، وغیرہ پڑھ کر ایران کے لیے میرا دل مچلتا رہا۔ لگتا تھا یہ سب شہر میرے اپنے ہیں۔ محض فارسی زبان سے اپنی محبت کی بنا پر اور فارسی تازہ کرنے کے لیے، اکثر ایرانی زائرین کے ساتھ گفتگو بھی کی۔

## تُرک زائرین:

ترک بوڑھی عورتوں کا خشوع وخضوع دیکھنے کے لائق ہے۔وہ کعبے سے لپٹ کر گڑگڑا کر روتی ہیں۔لگتا ہے کمال اتاترک اور اس کے سیکولرزم نے ان ترکوں کا ایمان واسلام جتنا دبا کر رکھا تھا، اب وہ اتنا ہی ابھر نہیں رہا ہے بلکہ پھٹا پڑ رہا ہے۔ انھیں دیکھ کر حسرت ہوتی کہ کاش یہی خشوع وخضوع مجھے بھی ملا ہوتا! جن کے قلب رقیق ہوتے ہیں، ان کے قلب حرم میں جاری ہو جاتے ہیں۔ پھر آپ کو اپنے اوپر اختیار نہیں رہتا، درمیان میں حائل پردہ ہٹ جاتا ہے اور آپ اپنے ربّ کے حضور تضرّع اور زاری کر رہے ہوتے ہیں۔اپنے گناہوں، لغزشوں اور کوتاہیوں کا اونچی زبان میں اقرار کر رہے ہوتے ہیں اور اسی سے بخشش مانگ رہے ہوتے ہیں۔آپ کو یہ اندیشہ نہیں ہے کہ آس پاس ہزاروں کا مجمع آپ کی باتیں سن رہا ہے۔آپ ہیں اور آپ کا پروردگار۔

## مائیں اور ان کے بچے:

ہر عمر کے لوگ عمرہ اور زیارت خانۂ کعبہ کے لیے حاضر ہوتے ہیں۔ان میں ایسی خواتین بھی ہیں جو اپنے شیر خوار یا چھوٹی عمر کے بچوں کے ساتھ آتی ہیں۔ایک روز فجر کی نماز کے بعد طواف میں دو ایرانی خواتین کو دیکھا کہ ان کے دو خُرد سال بچے سوئے ہوئے ہیں اور وہ اپنی ماؤں کے گلے میں بانہیں ڈالے ہوئے ہیں اور مائیں مصروفِ طواف ہیں۔ظاہر ہے فجر کے وقت مائیں سوتے ہوئے بچوں کو ہوٹل میں نہیں چھوڑ سکتیں۔آفرین ہے ان ماؤں کی ہمت اور جذبے پر۔

ایک روز مطاف میں تھا کہ ایک آواز میرے کانوں میں پڑی: ''خرس گُندہ'' (یعنی موٹا تگڑا ریچھ)۔آواز نسوانی تھی اور الفاظ فارسی۔ایک لمحے کے لیے دماغ میں خیال کوندا کہ حرم میں ریچھ کہاں؟ پلٹ کر دیکھا تو ایک ایرانی خاتون اپنی سات آٹھ سالہ بچی کو اٹھائے ہوئے تھی۔ماں ظاہر ہے تھکی ہوئی تھی۔بچی بھی تھکی ہوئی تھی اور اس نے ماں سے ضد کی ہوگی کہ مجھے اٹھا لو۔ اس کے جواب میں یہ ماں کی ڈانٹ یا ردِّعمل تھا جس میں البتہ شفقت اور محبت پوشیدہ تھی۔اس واقعہ میں ایک نئی فارسی ترکیب میرے ہاتھ آئی جو پہلے نہیں سنی تھی۔ہمارے ہاں موٹی عورت کو بھینس، جھوٹی اور ہٹے کٹے مرد کو سانڈ وغیرہ کہا جاتا ہے، فارسی میں بھاری پن کا استعارہ ریچھ ہے۔

ایک افریقی عورت کو دیکھا جو اپنے بچے کو پشت پر باندھ کر، جیسا کہ افریقیوں کا طریقہ ہے، نماز پڑھ رہی تھی۔یہ منظر قابلِ دید تھا۔رکوع وسجود میں بچہ بالکل آرام سے سوتا رہا۔

## خوابوں اور خیالوں کا سلسلہ:

اِس سفر میں میرے ساتھ رؤیا/خواب دیکھنے کا عجیب سلسلہ رہا۔ظہر کا قیلولہ ہو، رات کا سونا یا فجر کے بعد کی نیند، خواب ضرور نظر آتے اور عام طور پر اسی دن کے گذرے ہوئے واقعات یا خیالات کا پرتو ہوتے۔ایک بار ایک عمرہ اپنے اَب وجدّ کی طرف سے کیا تو اسی رات خواب میں دیکھا کہ ساہن پال میں اپنی حویلی میں شادی کی تقریب ہے۔خصوصی بینڈ باجہ پارٹی

بلائی گئی ہے اور تمام لوگ خاص طور پر اس بینڈ کو وہاں دیکھنے کے لیے آئے ہیں۔ اس سے پہلے ایسا بینڈ وہاں نہ آیا تھا۔ سب کے چہرے خوشی سے تمتما رہے ہیں۔ حضرت شرافت نوشاہی صاحب بھی موجود ہیں۔ ان کی گود میں ایک نومولود بچی ہے اور وہ اسی حالت میں ایک ہاتھ سے لکھ بھی رہے ہیں۔ خواب میں یوں القا ہوا کہ یہ بچی میری بڑی بیٹی تاباں کی بیٹی ہے۔ اس خواب کی تعبیر میں نے یہ کی کہ اس وقت تاباں کے رشتے کی بات چیت چل رہی تھی اور میں حرم شریف میں روزانہ دعا مانگتا کہ اس بات چیت کا نتیجہ بالخیر ہو۔ میں نے اس خواب کو بشارت سمجھا۔ بعد میں یہ رشتہ طے ہوگیا اور تاباں کی شادی ہوگئی اور پہلے بیٹا (محمد عبداللہ حاشر) اور پھر بیٹی (فریحا ضحیٰ) پیدا ہوئی۔

ایک روز نماز ظہر کے بعد حرم میں آنکھ لگ گئی تو خواب میں دیکھا کہ مسجد الحرام میں ہی ہوں اور وہاں گذشتہ سفرِ عمرہ کے ہمسفر، مستفیض احمد نوشاہی سے ملاقات ہوئی۔ خوب گلے ملے۔ میں نے ان سے پوچھا: تم کہاں ہوتے ہو؟ کہنے لگے یہیں (مکّہ میں)۔ مسجد سے باہر نکلے تو سیڑھیوں پر ایک صندوق رکھا تھا۔ اس کے مالک نے اسے ہمارے لیے کھول دیا اور کہا کہ اس میں سے جو مرضی ہے لے لو۔ اس صندوق میں انواع و اقسام کے مشروبات تھے۔ وہ ہم نے لے لیے۔ میں اس خواب کو خوابِ نیک سمجھتا ہوں۔

یہ بات تو ہوئی خوابوں کی۔ خیالوں کا سلسلہ بھی عجیب ہے۔ کعبۃ اللہ کی حدود میں اکثر جو خیال دل میں لاتا وہ کچھ دیر میں مجسم ہو جاتا۔ ۲۰۰۵ء کے سفر میں، مسجد الحرام میں حالت طواف میں ایک سعودی باشندے کو دیکھتا تھا جو دوران طواف لوگوں کی راہ نمائی کرتا تھا۔ بڑی ملائمت اور نرمی کے ساتھ۔ اب کے ۲۰۰۹ء میں وہ شخص نظر نہیں آرہا تھا۔ ایک روز نماز مغرب کے لیے مخصوص جگہ، دیوار کعبہ کے سامنے بیٹھا تھا کہ دل میں اس شخص کا اچانک خیال آیا اور میں اسے یاد کرنے لگا۔ عین اسی وقت وہ شخص نمودار ہوا۔ وہ لوگوں میں پلاسٹک کی تھیلیاں تقسیم کر رہا تھا کہ کھجوروں کی گٹھلیاں اور خالی گلاس ان میں ڈالو۔

## حرم کی صفائی سے کم توجہی:

اس بار حرم میں پہلے کے مقابلے میں صفائی اور نظافت کے معاملے میں تھوڑی سی کمی یا عدم توجہ نظر آئی۔ حرمین (مسجد الحرام/مسجد نبوی) کے صحن میں بلیاں گھومتی نظر آئیں۔ مسجد الحرام میں تو اندر بھی دیکھی گئیں۔ مگر کوئی ان سے تعرّض نہ کرتا۔ رات کے وقت جب صحن حرم میں بجلی کے قمقمے جلتے ہیں تو ان پر پتنگے آتے ہیں۔ یہ بلیاں ان پر جھپٹتی ہیں۔ مسجد الحرام کے وضو خانہ اور بیت الخلاؤں میں اب بدبو بھی ہے۔ پہلے نہ تھی۔ اگرچہ اس کا تعلق استعمال کرنے والوں کے رویّے سے بھی ہے کہ وہ ٹائلٹس استعمال کرنے کے بعد فلش چلاتے ہیں یا نہیں اور صفائی کا خیال رکھتے ہیں یا نہیں؟ ہمارے اپنے ملک کے اکثر زائرین دیہاتی ہوتے ہیں اور اس قسم کے بیت الخلاؤں کے استعمال سے ناواقف ہوتے ہیں۔ دوسرے ممالک کے زائرین بھی تو دیہاتی ہوتے ہوں گے جو ان طریقوں سے ناواقف ہیں۔

## حرمین میں ناگوار آوازیں:

مسجد الحرام میں عین حالتِ نماز میں موبائل فون کی گھنٹیوں کی آواز تو نئی بات نہ تھی، اب کے چھوٹے بچوں کی گریہ و زاری کی آواز- خاص طور پر مستورات کے حصے سے -نماز کو عجیب طرح سے مشوش کرتی اور ارتکازِ توجہ نہ رہتا۔لوگ ناچار اپنے بچوں کو ساتھ لاتے ہیں۔اس سے کچھ اور مسائل بھی پیدا ہوتے ہیں۔میں نے دیکھا کہ ایک بچے نے مسجد الحرام میں نجاست پھیلا دی۔فوراً صفائی کا کارندہ بلایا گیا۔ایک بچے نے پاخانہ کیا تو اسے پلاسٹک کا بڑا شاپر پہنا کر حرم سے باہر لے جایا گیا۔

## اردو مترجم قرآن مجید کی تلاش:

میں نے مسجد الحرام میں بہت تلاش کیا کہ اردو ترجمہ وتفسیر والا قرآن پاک مل جائے لیکن کہیں نظر نہ آیا۔جب کہ دیگر زبانوں کے تراجم کے حامل مصاحف رکھے تھے۔پچھلی دفعہ (۲۰۰۵ء میں) اردو ترجمہ یہاں دستیاب تھا۔اِس بار مسجد نبوی میں تو اردو ترجمہ والے نسخے بکثرت دیکھے۔لیکن مسجد الحرام میں نہیں تھے۔اس کی وجہ معلوم نہ ہوسکی۔یہ ترجمہ وتفسیر خالصۃً آلِ سعود کے عقائد کے مطابق ہے اور ہمارے ہاں کے بریلوی عقائد پر خوب تنقید کی گئی ہے۔

## خواتین محافظ:

حرم میں خواتین کو کنٹرول کرنے کے لیے خواتین محافظ مامور ہیں۔یہ سرتا پا سیاہ برقعہ میں ملبوس ہیں۔ان کا چہرہ بھی ڈھکا ہوتا ہے۔بازو پر ایک گول نشان سلا ہوا ہے جس سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ یہ محافظ ہیں۔ان کا لہجہ اور برتاؤ بہت کرخت ہے۔

## ہمشیرہ صاحبہ کے اوصاف:

جیسا کہ پہلے بتا چکا ہوں، اس سفر میں میری بڑی ہمشیرہ صاحبہ بھی ساتھ تھیں۔مجھے ان کے ساتھ بائیس دن رہنے کا اتفاق کوئی برسوں بعد ہوا تھا۔حالیہ کئی سالوں سے ان کے ساتھ اتنا وقت نہیں گذرا تھا (کیوں کہ وہ اپنے سسرال میں رہتی ہیں)۔ جیسا کہ داناؤں کا قول ہے کہ سفر کے دوران ہمسفر کا اخلاق اور اصل مزاج معلوم ہوتا ہے، اسی طرح مجھے بھی اس سفر میں اپنی ہمشیرہ صاحبہ کو مزید جاننے کا موقع ملا۔بزرگی اور ولایت کی تین نشانیاں بتائی گئی ہیں: قلت الکلام، قلت الطعام، قلت المنام۔کم بولنا، کم کھانا اور کم سونا۔یہ تینوں وصف ان میں بدرجۂ اتم موجود پائے۔بلکہ کم بولنے اور کم کھانے کو تو یکجا کر دیا تھا۔کیونکہ میں کھانے کے وقت ان سے پوچھتا کہ آج آپ کے لیے کیا کھانا لاؤں؟ تو آگے سے جواب نہیں دیتی تھیں۔میں قدرے خفگی سے دوبارہ کہتا کہ کچھ جواب تو دیں (تاکہ میں رستوران والے سے کچھ کہہ سکوں کہ فلاں چیز چاہیے) اس پر وہ کہتیں ''جو مرضی ہے۔'' یعنی اپنی مرضی کو ہرگز دخل نہ دیتیں۔جب کھانا آتا تو چند لقمے لیتیں اور ہاتھ کھینچ لیتیں۔ہماری نیند رات گیارہ بجے سے صبح ساڑھے تین بجے تک ہوتی تھی۔ایک دو بار میں نے یہ کیا کہ ظہر کی نماز کے بعد بھی واپس ہوٹل آجاتا تھا تاکہ مزید نیند مل جائے۔اس پر ہمشیرہ صاحبہ نے کہا کہ یہاں سونے کا کیا فائدہ؟ حرم چلیں اور وہاں بیٹھیں تاکہ انھیں تسبیح وتہلیل کرنے کا موقع مل سکے۔